رابعہ سرفراز

اسلوب کیا ہے؟

Style is an art and now it has become a science.This article is about style.different definitions of style in different languages have presented in the article.Style in poetry and prose has various meaninings and aspects.In the history of Urdu Literature, different trends and styles have been adopted.The period of Sauda,Mir and Dard was the period of consolidation of the literary tradition.These poets have their own style in their poetry. Luckhnow and Delhi school of thoughts and many other poets have been discussed in the article.Importance of style in language and literature has also mentioned in the article.

آج دنیا بھر کے ادب میں اسلوب کے تجزیاتی مطالعات کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اس سے قبل کبھی نہ تھی۔ آج شاعروں کے لفظ ان کے خصوصی مزاج اور برتاؤ کے سبب استعمال میں آ کر اُن کی ذات کا آئنہ بن گئے ہیں۔ معاصر ادب میں لفظ شناسی اپنے اندر نفسیاتی، سماجی، عمرانی اور تہذیبی و تمدنی تلازمات کی کئی تہیں، پرتیں اور رنگ رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ ادب میں اسلوبیات ایک جداگانہ مضمون بلکہ سائنس ہے اور ہر اہلِ قلم کے فکری و فنی تجزیے میں اسلوبیاتی نقطۂ نظر کو خاص اہمیت حاصل ہوگئی ہے۔

واضح ہو کہ ہر بڑا فن کار اپنے فن کے اندر ایسے امکانات کی نشاندہی کر جاتا ہے جو آنے والے زمانے میں بھی اپنی نت نئی تعبیر اور تشریح کے حوالے سے بامعنی ہوتے ہیں۔

اسلوب کے لیے انگریزی زبان کا لفظ اسٹائل ''Style'' استعمال کیا جاتا ہے۔ یونانی میں سٹائیلاس (Stylos) اور لاطینی میں سٹائیلس (Stylus) کے الفاظ اسلوب کے ہم معنی ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں اس لفظ کا تعلق لاطینی زبان سے جوڑا گیا ہے اور یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ اس لفظ کا ہمیشہ وہی مطلب اخذ کیا گیا ہے جو سٹائل میں پوشیدہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا مطلب لکھنے کا طریق کار، لکھنے کا قلم، تیز چلنے والا قلم یا لکھنے کا کوئی نوکیلا آلۂ کار بھی

Scanned by CamScanner

بیان کیا گیا ہے۔

لفظ اسلوب عربی لفظ سلب سے مشتق ہے۔

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے مطابق اسلوب سے مراد لکھنے کا طریقہ اور بڑے سیاق میں اظہار کا طریق کار ہے۔

ہندوستانی مصوری میں بھی قلم کا استعمال اسلوب کے لیے ہوتا ہے۔

کسی ادبی شخصیت اور مقرر یا ادبی گروہ یا دور کا اپنا منفرد طریق اظہار، مصنف کا تخلیقی ضابطہ جس میں توضیح، قوت، تاثیر اور حسن وغیرہ کے اجزا موجود ہوں بھی اسلوب کہلاتا ہے۔

ہمارے ادبیات میں سٹائل کے مفہوم میں اسلوب کے علاوہ کچھ اور لفظ بھی کبھی کبھار استعمال ہوتے ہیں ان کی حیثیت اگرچہ اسلوب کے درجہ پر اصطلاح کے طور پر مسلّم تو نہیں کیونکہ زیادہ تر (خصوصاً عصرِ حاضر) میں ہمارے ہاں اسلوب کا لفظ ہی خاص ہو کر رہ گیا ہے اور اسی سے اسلوبیات اور اسلوبیاتی کے لفظ معروف ہوئے ہیں پھر بھی اسلوب کے ہم معنی الفاظ کا سرسری ذکر بے جا نہ ہوگا۔

اسلوب کے مترادفات میں ہمارے ہاں انداز (بیاں)، ادا، ڈھب، روش، طور طریقہ، سلیقہ، طرز، ادا وغیرہ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ درج ذیل اشعار دیکھیے

اندازِ گفتگو:

بلبل غزل سرائی آگے ہمارے مت کر
سب ہم سے سیکھتے ہیں انداز گفتگو کا (۱)

سلیقہ:

بات کرنے کا سلیقہ اسے آجاتا تھا
ان کی صحبت سے بشر آدمی کہلاتا تھا (۲)

طرز:

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میرؔ کے
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ایہام بھی نہیں (۳)

ڈھب:

اب تو ہوئے ہیں ہم بھی ترے ڈھب سے آشنا
واں تو نے کچھ کیا کہ ادھر ہم نے پائی بات (۴)

ان اشعار میں اندازِ بیاں، سلیقہ، طرز، ڈھب، ادا، طور، روش، سٹائل وغیرہ کے الفاظ اسلوب کے ہم معنی ہیں اور اپنے لغوی مفہوم کے ساتھ ساتھ شعر کہنے اور بات کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوئے ہیں لیکن ایک ادبی اصطلاح کے طور پر جو لفظ ان دنوں زیادہ رواج پذیر ہے اور جسے ایک مستند اصطلاح کا درجہ

Scanned by CamScanner

حاصل ہے وہ اسلوب ہے اب یہ لفظ ایک ادبی اصطلاح ہی نہیں تنقیدی موضوعات میں ایک جداگانہ فن کا درجہ رکھتا ہے اس سے اسلوبیات اور اسلوبیاتی لفظ بن گئے ہیں جو Style اور Stylistic کے فنی پہلوؤں سے متعلق مباحث کے ذیل میں استعمال ہوتے ہیں۔

جدید اردو لغات میں بھی انداز بیاں کے لیے اسلوب کا لفظ نظر آتا ہے۔ اردو لغت میں اسلوب کی درج ذیل تعریف موجود ہے:

ا۔ انداز، وضع، ڈھنگ، روش، طور، طرز

صنم کی زلف پریشاں نے پیچ کھایا ہے　　ہمارے حال پریشاں کا دیکھ کر اسلوب

سمیٹیں گے متاع دین و دنیا اپنے دامن میں　　یہ اسلوب مناسب اتحاد جسم و جاں ہوگا (۵)

قدیم اردو لغات میں اسلوب کا لفظ اپنے عمومی مفہوم طور طریقہ، روش اور طرز کے معنی میں ملتا ہے۔

فارسی زبان میں اسلوب کے لیے "سبک" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ عربی لفظ ہے سَبَکَ یسبکُ (ضَرَبَ یَضرِبُ) کے لغوی معنی ہیں دھات کو پگھلانا اور سانچے میں ڈھالنا چنانچہ ایسا سونا جسے کٹھالی میں ڈال کر میل سے صاف کرلیا جاتا ہے اُسے سبیک یا مَسبُوک کہتے ہیں اور دھات کی چیزیں ڈھالنے والی فاؤنڈری (Foundry) کو مَسبَکۃ کہتے ہیں۔ سبک کا مطلب ہے دھات کو پگھلا کے اُسے حشو و زوائد سے پاک کرنا، نکھارنا، ایک سانچے میں ڈھالنا اور کوئی خوشنما شکل دینا یہی عمل اچھے سٹائل میں لفظوں کے ساتھ بھی دہرایا جاتا ہے چنانچہ عربی میں اس کا مفہوم کلام کو حشو و زوائد سے پاک کرنا بھی ہے۔

فارسی زبان میں سٹائل یا اسلوب کے لیے 'سبک' کا لفظ اپنی قبیل کے دوسرے الفاظ (انداز، طرز، روش وغیرہ) سے زیادہ بلیغ اور پر معنی ہے۔ میمنت میر صادقی (ذوالقدر) واژہ نامہ ہنر شاعری A Dictionary Of Poetry and Poetics میں سبک کی تعریف میں لکھتی ہیں:

> سبک (Style) در زبان عربی بہ معنی گداختن و بہ قالب ریختن زر و نقرہ در Style معادل آن در زبان ہائی اروپایی از اصل لاتینی Stilus گرفتہ شدہ بہ معنی نوعی قلم فلزی است کہ در زمان ہائی قدیم حروف و کلمات را بہ وسیلۂ آت برروی لوح ہائی مومی نقش می کردہ۔۔۔
>
> اصطلاح سبک یا اسلوب در نقد ادبی (نقد) تعریف ہائے مختلفی دارد، اما بہ طور خلاصہ می توان آں را چنیں تعریف کرد: شیوۂ خاصی کہ نوے ستدہ یا شاعر برای بیان مفاہیم خود بہ کاری بردو بہ عبارت دیگر این کہ نویسندہ یا شاعر آنچہ رامی گوید، چگونہ بیان می کند در مباحث جدیدتر، سبک را انحراف یا تمایزی دانستہ اند کہ در شیدہ بیان ہر کسے، نیست بہ دیگر شیوہ ہائی بیان وجود دارد و بہ عبارت دیگر، سبک یعنی انحراف از نُرم (Narm) یا ہنجار بیان دیگراں یہ این معنی کہ۔۔۔ (۶)

اسلوب کا استعمال صرف طرزِ تحریر کے معنوں میں نہیں ہوتا بلکہ فنونِ لطیفہ کے دوسرے ضابطوں میں بھی ہوتا ہے۔ اسلوب تخلیق کا وہ اصول ہے جس سے فن کار اپنے موضوع کی گہرائی میں اُتر کر موضوع کا جائزہ لیتا ہے۔ یہ اظہار کا معجزہ اور بات کہنے کا ڈھنگ ہے۔ اسلوب میں فنی خصوصیات اور قوت اظہار پہ توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ زبان کی عمومی سطح سے اجتناب یا گریز اسلوب ہے۔ فنی اظہار میں انفرادیت کی موجودگی اسلوب ہے۔ ہر مصنف کی اپنی انفرادیت اس کا اسلوب ہے۔ اظہار و زباں کے لیے مناسب لفظوں کا استعمال اسلوب کہلاتا ہے۔ کسی ادبی تخلیق کی وہ خصوصیت جس کا تعلق خیال یا موضوع کی مناسبت، صورت یا اظہار سے ہوتا ہے اسلوب ہے۔

اسلوب کی درج ذیل تعریفیں کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ انفرادی خصوصیات

۲۔ موضوع کے اظہار کا طریقِ کار

۳۔ ادب کی تخلیقی قوتوں کے اسباب

انفرادی خصوصیات کے اعتبار سے اسلوب خود انسان ہے۔ اسلوب کی یہ تعریف ڈاکٹر بوفان نے کی ہے۔(Le Style Estl' Homme Meme)(۷)

اس تعریف سے بوفان کی مراد ہے کہ مصنف کی شخصیت اپنے نشیب و فراز اور رنگ و آہنگ کے ساتھ الفاظ میں منتقل ہوتی ہے۔ یہی بات ایمرسن نے زیادہ واضح الفاظ میں کہی ہے

(۸)A man's style is his mind's voice

بچپن میں جب انسان کا ذہن اثر پذیری کی زیادہ صلاحیتیں رکھتا ہے تو ہر چیز کا نقش جلد قبول کر لیتا ہے، اُسی وقت طرز یا اسلوب کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ اچھے اسلوب کے لیے الفاظ پر حاکمانہ اقتدار، لکھنے پر قدرت، اظہار میں سہولت، دروبست کی صلاحیت اور انتخابی ملکہ ناگزیر ہے۔ اسلوب موضوع کے اظہار کا طریق کار ہے۔ سوئفٹ نے Definition of a good style میں اسلوب کو(Proper words in proper places) مناسب ترین لفظوں کا مناسب استعمال کہا ہے۔ حسنِ خوبی، کو بھی اسلوب کے معانی میں لیا جاسکتا ہے۔ کسی کلام کا اسلوب اس کی ایسی لسانیاتی خصوصیات میں مضمر ہے جو اس کلام کی زبان کے متوازی اس کی لسانیاتی صورت سے اس کو مختلف کرتی ہے۔ انتخاب اسلوب کی سب سے بہترین تعریف ہے۔ کسی ایک زبان کے ایسے دو تلفظوں کا فرق اسلوب ہے جن کے معنی تقریباً ایک ہوں لیکن جو اپنی لسانی تشکیل میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ نارم NORM سے اجتناب، اسلوب کو منفرد قرار دیتا ہے۔

لاطینی اور امریکی نقادوں کے ایک گروہ نے تاثر پسند بیانیہ میں اسلوب کی تلاش کی ہے۔ ان کے نزدیک اسلوبیات زبان ایسے عناصر کا مطالعہ ہے جو منطق سے بالاتر ہو اور عمومی ضابطوں سے ماورا ہو۔

Scanned by CamScanner

اسلوب کے حوالے سے چار چیزیں بالکل واضح ہیں۔

ا۔لسانیاتی انتخاب (۲) عمومیت سے اجتناب (۳) موثر اظہار بیان (۴) غیر معمولی لسانیاتی استعمال

اسلوب بنیادی طور پر ایک شخصی صفت ہے اور جب اسلوب کی مکمل تشکیل ہو جاتی ہے تب وہ کسی بھی مصنف کی شخصیت کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ اسلوب کے معانی یہ بھی ہیں کہ فن کار کسی سلسلۂ فکر کے اظہار کے وقت وہ تمام کوائف شامل کرے جو سلسلۂ فکر کے کامل ابلاغ کے لیے ضروری ہیں۔ پروفیسر مرے کا خیال ہے کہ اگر اسلوب کی سائنٹیفک تعریف کرنے کی کوشش کی جائے تو جمالیات اور اصولِ انتقاد دونوں کو کھنگالنا پڑے گا۔

ہندی زبان میں اسلوب درج ذیل مفاہیم کے لیے استعمال ہوتا ہے:

ا۔چال، ڈھب، ڈھنگ

۲۔طریق، رواج، رسم، روایت

۳۔ضابطہ، طرز، طریق

۴۔فقرہ کی تشکیل کے نوع

۵۔سختی، کرختگی، ٹھوس

۶۔بت، مجسمہ، پتھر کی مورتی

اسلوب کی مختلف تعریفوں پر غور کرتے ہوئے ہمیں پانچ اہم نکات نظر آتے ہیں۔

ا۔اسلوب بمعنی اظہارِ روح، تصویرِ دماغ، مظاہرِ فطرتِ انسانی، حصۂ شخصیتِ انسانی۔

۲۔اسلوب بمعنی عناصرِ فکر، لباس فکر۔

۳۔اسلوب بمعنی زبان کا منفرد ذریعہ، بیان کا متوازن طریقہ، اظہار کی ذاتی صفت، بے محابا قوت لسانی۔

۴۔اسلوب بمعنی قاری سے تعلق پیدا کرنے کا سلیقہ، قاری کو متحرک کرنے کا ذریعہ۔

۵۔اسلوب بمعنی لسانی اظہار کے جملہ امکانی عناصر کا استعمال۔

ادب میں موضوع سے زیادہ اسلوب پر زور دینے والا یا اس سے تعلق رکھنے والا، کسی ادیب یا ادیبوں کے گروہ کا شناختی اسلوب، فنون میں خارجی اسلوب، روش یا انداز، کوئی مخصوص طرز ادا، وہ طور طریقہ جسے موزوں اور شستہ سمجھا جاتا ہو، لکھنے، کندہ کرنے یا خاکہ کشی کے لیے مخصوص نوکیلا قلم اسٹائیلوس۔(۹)

انگریزی زبان میں سٹائل کے ساتھ بہت سے اور الفاظ بھی ہیں جن کے مطالعے سے اس لفظ Style کی معنویت اور استعمال کے کئی اور گوشے سامنے آتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

Styler صاحبِ طرز، خاص اسلوب کا مالک

Stylet کٹار، خنجر یا اسی قسم کا کوئی نوکیلا آلہ۔ مروجہ فیشنی معیاروں کے مطابق یا اس سے متعلق، طرح دار، کسی ایک خاص طرز سے متعلق۔

Scanned by CamScanner

Stylish کسی وضع یا طرز کا انوکھا

Stylist صاحبِ طرز، کسی طرز پر کاربند رہنے والا، طرز پیدا کرنے والا یا طرز کا ماہر (خصوصاً ادیب یا مقرر) فیشن کا موجد۔

Stylistically اسلوب بیان کے لحاظ سے۔ (۱۰)

ان نکات اور وضاحتوں سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔ کسی بھی کلام کے مخصوص اور موثر بیان کو اسلوب کہتے ہیں۔

۲۔ غیر معمولی لسانی اظہار کا مخصوص ڈھنگ اسلوب ہے۔

۳۔ اسلوب لسانی اظہار کا وہ مخصوص انداز ہے جو فن کار کی شخصیت اور موضوع سے متعلق ہوتا ہے اور جو اجتناب، انتخاب، خوبی، امتزاج، خوبیِ تناسب اور غیر موجود عناصر کے اظہار کے لیے غیر معمولی آلۂ کار پر مبنی ہوتا ہے۔

۴۔ اسلوب کا مقصد قاری کو متاثر کرنا ہے۔

۵۔ اسلوب صنائع بدائع سے مملو و مزیّن ہوتا ہے۔

۶۔ اسلوب کا تعلق انفرادی شخصیت سے ہے۔

۷۔ اسلوب کا تعلق موضوع سے بھی ہے۔

کسی بھی فن کار کے لیے لسانی اظہار کے مخصوص انداز کے متعین راستوں میں ایک سے زیادہ راستے بھی ہو سکتے ہیں۔ اسے کسی خاص انداز کا پابند نہیں بنایا جا سکتا تاہم یہ حقیقت ہے کہ نثر اور شاعری کے لوازمات اور خصوصیات کے مرکزی رویوں کے سبب اس کا کوئی انداز تحریر بار سلوب نمایاں ہوتا ہے یہی اسلوب بہت اہمیت کا حامل ہے اور صاحبِ اسلوب اس سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل۔ اچھی، دلکش، خوبصورت، شستہ، شائستہ اور رواں تحریر فنِ تحریر میں مہارت کا نتیجہ ہے لیکن اسلوب اس سے بہت مختلف شے ہے جس کا تعلق منفرد شخصیت اور بے مثال تخلیقی تجربے اور تخیل سے ہوتا ہے۔ ادبی اُسلوب کی بنیادی شرط قابلِ مطالعہ Readable ہوتا ہے۔ قابلِ مطالعہ سے مراد دلچسپی کا ہونا ہے۔

اپنے موضوع پر قابو پانا اور اس پر مکمل دسترس حاصل کرنا اُسلوب ہے۔ اسلوب کی خالصیت اس کی وہ بنیادی شرط ہے جس کے سبب اسلوب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسلوب کی خالصیت لفظوں کی ہنرکاری کی متقاضی ہوتی ہے اور ایسی تشکیل کی بھی جس کا تعلق زبان کے محاوروں سے ہوتا ہے یا صنفوں اور سے یا دیگر زبانوں سے لیے گئے محاوروں یا متروکات اور نئے پروردہ لفظوں سے۔ قواعد کی غلطیاں، بیرونی محاورے اور متروکات اور نئے الفاظ اسلوب کی خالصیت پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔

اسلوب میں الفاظ کی ترتیب، انتخاب اور تناسب خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ اس بارے میں نثار احمد

Scanned by CamScanner

فاروقی لکھتے ہیں:

'الفاظ کے انتخاب اور دروبست کا یہ کمال حافظؔ سعدیؔ فردوسیؔ میرؔ اور انیسؔ کے ہاں دیکھا جاسکتا ہے۔ نثر میں غالبؔ آزادؔ (محمد حسین) اور ابوالکلام کی تحریروں کو پیش کیا جاسکتا ہے لیکن یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ اُردو کا کوئی نثر نگار اردو کے شاعروں کی طرح الفاظ کے انتخاب کا اعلیٰ معیار پیش نہیں کرتا' اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ نثر کی نسبت نظم میں فکر و تامل کے لیے مہلت زیادہ ملتی ہے اور کبھی کبھی عروض کی پابندیاں بھی مناسب الفاظ تلاش کرنے پر مجبور کرتی ہیں جو موقع کی مناسبت کے علاوہ صوتی اعتبار سے بھی ہم آہنگ ہوں۔'' (۱۱)

اچھا سٹائل یا اسلوب محنت اور کاوش کے بغیر نہیں بن سکتا۔ صاحبِ اسلوب کو ایسے الفاظ کا انتخاب کرنا چاہیے جو اس کے خیالات کو پراگندہ اور منتشر نہ کر سکیں اور الفاظ کا صحیح استعمال مناسب خیال کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ فن کار اپنے قاری سے خوش اخلاقی سے پیش آتا ہے۔ اگر معمولی اور سیدھی سادی بات بیان کرنی ہو تو اس کے لیے ادق الفاظ اور پیچیدہ تراکیب کا استعمال مناسب نہیں۔ یوں تحریر میں سادگی پیدا نہیں ہوتی۔ اُردو نثر میں غالبؔ کے بعض خطوط' حالیؔ کی نثر کے بعض حصے' سرسید کے مضامین اور مکاتیب (جو فقہی مسائل سے متعلق نہیں) سادگی کی عمدہ مثالیں ہیں۔ لوکس نے سادگی کو Clarity اور سید عابد علی عابد نے قطعیت کے مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق زبان کے آسان ہونے کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ اس میں جان' اثر اور لطف کے قائل ہیں جو ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ وہ لفظ کو ایسی بے جان چیز تصور نہیں کرتے جسے جہاں چاہا اٹھایا اور رکھ دیا بلکہ ان کی رائے میں اس کے گنوں کو پرکھنے والے مشاق ادیب ہی ہوسکتے ہیں۔ کسی اعلیٰ درجے کے شاعر کا کلام اٹھا کے دیکھیے ہر لفظ سے معلوم ہوگا کہ ایک نگینہ ہے جو اپنی جگہ جڑا ہُوا ہے۔

اظہار کے اس پہلو کے حوالے سے طارق سعید اپنی کتاب اسلوب اور اسلوبیات میں لکھتے ہیں

''۱۔ اسلوب کو ''جڑی ہوئی' چیز کی شکل میں دیکھا گیا۔

۲۔ تاثر کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا۔ تاثر خالق فن کے لیے اسلوب سے اہم ہے مگر اسلوب اس تاثر کو اس قدر خصوصیت بخشتا ہے جو اسے سکہ رائج الوقت بناتا ہے۔

۳۔ طرز جیسی سے فن کار کا بھی تعارف ملتا ہے۔ اسلوب کی آمیزش سے تخلیق منفرد ہو جاتی ہے جو فن کار کی شخصیت کو بلند و اعلیٰ کر دیتی ہے۔'' (۱۲)

اسلوب کے حوالے سے چند ضمنی مسائل الفاظ کے استعمال سے ادا ہوتے ہیں واضح رہے کہ الفاظ کے انتخاب کا معاملہ سٹائل میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ انتخاب موضوع کی مناسبت اور تحریر کے داخلی تقاضوں کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اس حوالے سے الفاظ کو مانوس یا نامانوس الفاظ کے خانوں میں تقسیم

Scanned by CamScanner

کرنا مناسب نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسی زبان میں کوئی دو لفظ مترادف نہیں ہوتے یعنی ان میں کچھ نہ کچھ فرق تو ضرور ہوتا ہے۔ اُنس، محبت، عشق، جنون، اُلفت، شیفتگی یہ سب ایک ہی جذبے کے مختلف مدارج کو ظاہر کرتے ہیں اور ان میں بہت نازک فرق ہے جسے وجدان ہی محسوس کر سکتا ہے الفاظ کے ذریعے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ شبلی نے انیس کی مرثیہ نگاری سے بحث کرتے ہوئے اس کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں مثلاً 'اوس' اور 'شبنم' ایک ہی چیز کے دو نام ہیں لیکن دونوں میں جو لطیف وجدانی فرق ہے وہ محلِ استعمال پر ہی کھلتا ہے۔ اسلوب فکر و معانی اور ہیئت وصورت کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔ اسلوب سے مراد لکھنے والے کی وہ طرزِ نگارش ہے جس کی بنا پر وہ دوسرے لکھنے والوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ یہ دعویٰ کہ کسی شاعر نے اسی زبان میں ایک لفظ کی جگہ دوسرا ہم معنی لیکن زیادہ موثر لفظ استعمال کیا ہے غلط ہے۔ لغت یہ تو کرتی ہے کہ ایک کلمے کے کئی سلسلۂ معانی متعین کر دے لیکن یہ نہیں کرتی کہ ایک ہی معنی کے لیے دو لفظ فراہم کرے۔ الفاظ معنی میں قریب تر تو ہو سکتے ہیں لیکن ان میں کوئی دلالت مختلف ضرور ہوتی ہے۔ معمولی اور سیدھی سادی بات کے لیے دقیق الفاظ اور پیچیدہ تراکیب کا استعمال ممکن نہیں۔ بات میں اختصار کا خیال رکھنا اُسلوب کی اہم خوبی ہے۔ فکر کا وہ پہلو جو ادب کی بنیاد بنتا ہے اگر سادہ ہو اور اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہ ہو تو اُسلوب میں سادگی (سلاست اور صفائی) پیدا ہوگی یعنی معنی کے لوازم کے پہلو بہ پہلو الفاظ سادہ ہوں گے اور مطلب بھی واضح ہوگا۔

شاعری کے فکری عنصر میں جذبے کا پہلو شدید ہوتا ہے اور بعض مقامات پر سادہ الفاظ کے استعمال کے باوجود معانی سادہ نہیں ہوتے۔ اچھا شاعر سادہ مضمون کے لیے مناسب اور موزوں الفاظ استعمال کرتا ہے لیکن سادہ الفاظ سے سادہ معانی کا پیدا ہونا ضروری نہیں۔ زبان کا بنیادی مقصد ابلاغ ہے۔ اگر فن کار اپنے خیالات و افکار و جذبات دوسروں تک منتقل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو تخلیقِ ادب کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

اس ضمن میں سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

> "۔۔۔نثر کی سادگی اور شعر کی سادگی جدا نوعیت کی ہوتی ہے البتہ تشبیہ و استعارہ کے استعمال میں فن کار اپنے مطلب کی توضیح بھی کر لیتا ہے اور اسے ایک خاص قسم کی تعین خوبصورتی بھی عطا کرتا ہے۔" (۱۳)

بات کے دوران میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ سلسلۂ فکر کو کس طرح پیش کیا گیا ہے اور اس کے لیے الفاظ اور تراکیب کی کیا صورت تراشی گئی ہے۔ ناول یا افسانے کا جائزہ ہو تو پہلے مصنف کے اظہار کی خصوصیات اور ابلاغ پر غور کیا جاتا ہے اور پھر اس کی بصیرت کا سراغ لگایا جاتا ہے۔ کسی بھی لکھنے والے کی انفرادیت کو اس کا اسلوب کہنا ممکن نہیں۔ انفرادیت اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بُری بھی۔ اچھی انفرادیت سے اچھا اُسلوب پیدا ہوتا ہے۔ مبہم اور غیر واضح الفاظ اور تراکیب کے استعمال سے اسلوب کی خوبی پیدا نہیں ہو

Scanned by CamScanner

سکتی۔ محض صرف ونحو کی پابندیوں اور معانی اور بیان کی خصوصیات کو مدِ نظر رکھنے سے اسلوب پیدا نہیں ہوسکتا۔ ہزاروں لکھنے والوں میں سے کسی ایک کو ہی یہ منصب ملتا ہے کہ وہ اپنے احساس کو دوسروں تک پہنچادے ورنہ اپنے افکار کو الفاظ کے قالب میں منتقل کر کے بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اظہار کا حق مکمل طور پہ ادا نہیں کیا جاسکا۔ الفاظ کے انتخاب کے بارے میں نثار احمد فاروق کی یہ رائے بھی قابل غور ہے کہ

''اب رہا الفاظ کے انتخاب کا معاملہ۔ کہ یہ کسی ضابطے کے اصول کا پابند ہے کہ نہیں ،حقیقت یہ ہے کہ اس کے لیے کوئی اصول، کوئی طریقہ، کوئی ضابطہ پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اگر لکھنے والے کا خیال ''پختگی'' کی منزل تک آ گیا ہے تو وہ جزواً ظاہر ہو کر بھی گہرا اثر چھوڑ سکتا ہے۔ لیکن اگر ذہن ناپختہ تھا یا خیال خود ہی مبہم و موہوم تھا، اُس کی لطافت میں کثافت کی ناپختگی باقی رہ گئی تھی تو وہ بار بار اور طرح طرح سے ظاہر کرنے پر بھی تاثیر کی گرمی سے محروم رہتا ہے۔''(۱۴)

الفاظ انسان کی شخصیت، رجحان اور ذہن ومزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ لکھنے والے نے جن لفظوں میں اپنا مفہوم ادا کیا ہے ان کے تجزیاتی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی افتادِ ذہنی کیا ہے؟ اور وہ کس مزاج کا آدمی ہے۔ اس کے بعد ہی بوفان (Buffan) کی اس بات کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ 'اسلوب خود انسان ہے'۔

قرآن کریم نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے طرح طرح کے پیرائے اختیار کیے ہیں۔ کہیں تمثیل ہے، کہیں تشبیہہ، کہیں حکایات کہیں تفصیل وتشریح، کہیں تکرار وتاکید اور کہیں ایجاز واختصار۔ ان سب کا مقصد یہی ہے کہ اصل مدعا واضح ہوجائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اللہ اس سے نہیں شرماتا کہ کسی مچھر کی مثال دے یا اس سے بھی بڑھ کر کسی شے کو تمثیل میں پیش کرے۔(۱۵)

غرض اسلوب میں الفاظ کے انتخاب کا معاملہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ فصاحت و بلاغت، سلاست وشگفتگی اور تاثیر ودلکشی اچھے الفاظ سے ہی پیدا کی جاسکتی ہے۔

الفاظ کے انتخاب کے بعد دوسرے درجے پر لب ولہجے کی اہمیت ہے۔ اُسلوب فن کار کی ذاتی واردات اور تجربات کو آفاقی تجربات کے سانچے میں ڈھالنے کا نام اور غمِ ذات کو غمِ جہاں بنانے کا سلیقہ ہے۔ یہ ادبی تخلیق کا نقطۂ عروج ہے جس کے بغیر کلاسیکی عظمت حاصل نہیں ہوسکتی۔ کائنات کے بکھرے ہوئے اور غیر منتظم واردات وتجربات میں تنظیم اور تناسب پیدا کرنا اسلوب کی اہم خوبی ہے۔ جس فن کار کی شخصیت متاثر کن ہوگی وہ یقیناً اُن مصنفین سے بہتر لکھے گا جن میں یہ صفت موجود نہیں۔ بعض نقاد اُسلوب کو معانی سے نظریاتی طور پر جدا کر کے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اُسلوب ہیئت، پیکر، شکل یا صورت، فن میں ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اُسلوب کی جمالیاتی صفات میں ترنم اور نغمہ ایسی صفات

Scanned by CamScanner

ہیں کہ اگر اُردو اور فارسی سے ناواقف سننے والا ذوقِ سلیم کا مالک ہوگا تو اسے اس بات کا شعور ضرور ہوگا کہ وہ شعر سن رہا ہے خواہ معانی اس کو سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں لینا چاہیے کہ اچھے شعری اُسلوب میں معانی کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ نہ صرف شعر کا بامعنی ہونا لازم ہے بلکہ معانی کا بھی عالی ہونا لازم ہے۔ عتیق اللہ لکھتے ہیں:

> ''اسٹینلی فش نے تاثرات کی منطق کے تحت جذباتی اسلوبیات کی اصطلاح وضع کی ہے کہ عملِ قرأت کے دوران جس قسم کی جذباتی صورتیں رونما ہوتی ہیں وہ اپنی اصل میں نفسیاتی نوع کے ساتھ مخصوص ہیں۔ کوئی بھی متن خود مکتفی نہیں ہوتا اور نہ ہی ہر وہ معنی جو عملِ قرأت کے دوران وقوع پذیر ہُوا ہے فی البطنِ متن ہوتا ہے۔ فش کے نزدیک ہر لسانی تجربہ قاری کے شعور کو برانگیخت کرتا ہے اور جذباتی سطح پر متحرک بھی۔ ایک آگاہ قاری کے تجربات ہی معنی کی کلیت کو حاوی ہو سکتے ہیں۔ فش کے نزدیک آگاہ قاری وہ ہے جو زبان، قواعد اور ادب کی روایات سے بہرہ ور ہوتا ہے۔''(۱۶)

اسلوب میں قطعیت کو صفتِ خاص کہا جاتا ہے۔ فکر اور جذبے کے پیچیدہ پہلوؤں کے لیے ایسے الفاظ کا استعمال جو چاہے پیچیدہ ہوں لیکن وضاحتِ مطلب کے حوالے سے سادگی سے کم نہ ہوں، قطعیت کہلاتا ہے کیونکہ ضروری نہیں کہ شاعر ہمیشہ ایسی زبان میں بات کرے جو سادہ، رواں اور سلیس ہو۔ مشکل الفاظ اگر مطلب واضح کرتے ہیں تو یہی قطعیت ہے اقبال نے انگریزی میں تشکیلِ جدید، الٰہیاتِ اسلامیہ کے حوالے سے جو خطبات دیے تھے وہ نہایت مشکل زبان میں ہیں لیکن ان میں قطعیت کا عنصر موجود ہے۔ صرف قاری کا صاحبِ علم ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح ہر شعر اپنے مطلب اور مفہوم کے مطابق الفاظ کا تقاضا کرتا ہے جو مضمون کے اندر اسی طرح موجود ہوتے ہیں جیسے پتھر میں بُت۔ شاعر اپنے ذوق، سلیم اور مہارت سے کام لے کر پتھر کے نقاب کو دُور کرنے کے لیے مسلسل مشق اور ریاضت سے کام لیتا ہے جس کے آثار اس کے شعر میں نظر آتے ہیں اور وہی اس کا اُسلوب کہلاتے ہیں۔

اسلوب کی سادگی، معقولیت اور خالصیت سے ایجاز نگاری کا پہلو سامنے آتا ہے۔ ایک صاحبِ اسلوب زندہ اور منفرد لفظوں کا استعمال کرتا ہے اور ان لفظوں میں ایک ربط اور تنظیم پیدا کرتا ہے۔ اگر وہ ایجاز نگار نہیں تو اس کے اظہار کا ڈھیلا پن اس کے اسلوب کا عیب بن سکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ ہر طرح کے موضوعات کے لیے ایجاز کی مساوی سطح برقرار رکھی جا سکتی ہے۔ بعض تحریریں زیادہ وسعت کا مطالبہ کرتی ہیں ایسی صورت میں انھیں نظر انداز کرنا مناسب نہیں۔ اختصار کو اُسلوب کی جان کہا جاتا ہے۔ ایک اچھے مصنف کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تحریر میں ایسی چیزیں شامل نہ کرے جن کے بغیر بھی گزارا ہو سکتا ہے اور یوں قاری کا وقت ضائع ہونے سے بچائے۔

اختصار سے فن پارے کے حسن اور متانت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ابواب میں سے غیر ضروری

Scanned by CamScanner

پیراگراف اور پیراگرافوں میں سے غیر ضروری الفاظ خارج کرنا بہت ضروری ہے چونکہ کسی بھی کتاب یا مضمون کا اختصار ذہنی ریاضت اور محنت کا طالب ہوتا ہے اس لیے مصنف فن پارے کی اصلی شکل کو جو غیر ضروری طور پر طویل ہوتی ہے باقی رکھتا ہے۔ایسی بہت سی مثالیں ہیں جہاں طوالت نے کتاب کی متانت 'زینت' خوبی اور سلیقے میں کمی پیدا کی ہے۔یہ کج خلقی کی دلیل ہے کہ فن کار قاری کا وقت ضائع کرے حالانکہ وہ اپنی بات کو اس طرح کہہ سکتا ہو کہ اختصار ملحوظ رہے۔اختصار کو اسلوب کی ایک اہم صفت قرار دیا جاسکتا ہے۔سرسید کے مضامین اور شبلی کی تحریروں میں کئی مقامات پر اختصار کی کمی نظر آتی ہے۔ اختصار میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اس کے ساتھ ساتھ خیال کی پختگی کے ساتھ الفاظ کی پختگی بھی ضروری ہے۔اپنا مفہوم سبھی ادا کر لیتے ہیں لیکن عام لکھنے والوں کا اسلوب نہیں ہوتا کیونکہ ان کا خیال بھی ناپختہ ہوتا ہے اور قوتِ اظہار بھی خام ہوتی ہے۔پختگی اسلوب میں سنجیدگی پیدا کرتی ہے یہ بات پیشِ نظر رہے کہ یہ طنز و مزاح، شگفتگی یا شوخی کی ضد نہیں۔

بذلہ سنجی Wit (ظرافت) اسلوب کی اہم خصوصیت ہے جہاں بظاہر مشابہت موجود نہ ہو وہاں مخالف اور متضاد چیزوں میں وجہ شبہ (مشابہت) پیدا کرنا اور جہاں یک رنگ مشابہت ہو وہاں ذوق اور بذلہ سنجی سے کام لیتے ہوئے عدم مشابہت کے عنصر دریافت کرنا بذلہ سنجی ہے۔انسانی کمزوریاں' معاشرتی برائیاں' ریاکاریاں اور منافقت اکثر طنز کا ہدف بنتی ہے۔اچھے اسلوب کے لیے wit بہت مفید ہے۔ اچھے اسلوب کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ تحریر کا موضوع ہلکا پھلکا' شگفتہ اور عام پسند ہو۔خشک اور ناپسندیدہ باتیں بھی اچھے اسلوب میں کہی جاسکتی ہیں۔شگفتگی' طنز و مزاح اور شوخی میں ایک بہت خفیف اور غیر محسوس حدِ فاصل بھی ہے جو ان خصوصیات کو ابتذال اور پھکڑ پن سے علیحدہ کرتی ہے اگر لکھنے والے کے ذہن میں ابتذال اور خرافات کی کوئی ذاتی تعریف و تاویل نہیں ہے تو وہ اپنی تحریر کو ان ذمائم سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

اسلوب کی ایک اہم خوبی زورِ بیان ہے۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فن کار کس حد تک جذبے کے شدید عوامل اور قوی محرکات سے متاثر ہوا ہے۔شعری اسلوب میں زورِ بیان Force or vigour of style کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔شاعری میں جذبات کی شدت کو قائم رکھنا بڑے فن کار کا کام ہے۔زورِ بیان کی بدولت جذبے کی شدت کی آنچ الفاظ کو کندن بنا دیتی ہے یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ شاعر جوشِ بیان میں آگ کے استعارے کو اپنائے اور ہر لفظ کو گرما دے۔

گداز Pathos سے مراد انسانی زندگی یا تجربات کی وہ صفت ہے جو لطیف ترین جذبات پیدا کرے یا خارجی حالات میں کوئی ایسا تغیر پیدا کرے جس سے یہ ذہنی کیفیت پیدا ہو۔گداز انسان کی لطیف ترین کیفیت کا نام ہے۔یہ تاثر غلط ہے کہ جب تک دکھ کا بیان نہ ہوگا گداز کی صفت پیدا نہیں ہوگی۔انسانی جذبات میں ایسے مقام بھی آتے ہیں کہ دُکھ سے رشتہ جوڑنے کے باوجود انسان لطافتِ خیال سے نہیں کٹتا یعنی دُکھ درد بھی لطیف جذبات کا حصہ ہے۔لطیف ترین جذبات کا اظہار بہت بلند مقام ہے

Scanned by CamScanner

جو معمولی ذہن کے مالک کو نصیب نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی میں بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں جب انسان دکھ درد سے بھی اپنا رشتہ جوڑتا ہے اور لطافت خیال سے بھی نہیں کتراتا یہی گداز ہے۔ یہ کیفیت کسی کے رحم یا ہمدردی کی طالب نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ارفع مقام ہے جو معمولی ذہن کے مالک کو نصیب نہیں ہوتا۔ شاعری کے مقابلے میں نثر میں زور کلام یا جوش بیان کا رنگ ہلکا ہوتا ہے تاہم چوٹی کے نثر نگار الفاظ کی راکھ میں سے جذبے کی چنگاریاں دکھانے کا فن بھی جانتے ہیں۔

شاعری میں تخیل ہر پہلو سے حقیقت کی جستجو کرتا ہے۔ عرفان کے راستے سے، عشق کے راستے سے اور اخلاق کے راستے سے۔ جہاں خلوص موجود ہوگا وہاں تخیل شعر کو ایسے مقام پر لے جائے گا جس کا کوئی مقابل نہیں۔ تخلیقی عمل میں نفسِ انسانی ایک بجھتے ہوئے انگارے کی مانند ہے جسے کوئی غیر مرئی اثر ہوا کے جھونکے کی طرح دہکا دیتا ہے۔ یہ اثر شاعر کے داخل سے اضطراری طور پر پیدا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شاعری کا نزول فیضانِ الٰہی ہے۔ شاعر یہ نہیں جان سکتا کہ لمحۂ فیضان کب آئے گا۔ اسے جو ملتا ہے اور جب ملتا ہے اسی طرح سے قبول کرنا پڑتا ہے۔ تخیل جمالیاتی ادراک کا وہ آلہ ہے جس کے ذریعے فطرت شعور حاصل کرتی ہے اور پھر شعور کی بدولت تخلیقی آزادی۔ اگر شاعر حقیقی معنوں میں صاحبِ شعور ہے تو اس کا شعور آفاقی تخیل کا ایک حصہ ہوگا اسی لیے شاعری کو تخیل کی زبان کہا جاتا ہے۔ اس بارے میں سید عابد علی عابد لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔زبان کے استعمال کے دو طریقے ہیں: ایک تو یہ کہ الفاظ کو ان کے لغوی معنی میں استعمال کیا جائے، اس صورت میں لغت حَکم ہوگی اور وہی فیصلہ صادر کرے گی کہ ہم نے الفاظ کس معانی میں استعمال کیے تھے لیکن استعمالِ الفاظ کی ایک اور صورت ہے کہ ہم انھیں ایسے معنوں میں استعمال کریں جو دلالتی، وضعی یا غیر لغوی ہوں۔ ان معانی کو دریافت کرنے کے لیے اور ان سے لطف اندوز ہونے کے لیے لغت ہماری مدد نہیں کرتی بلکہ ایک قرینہ خود نثر یا شعر کے بارے میں موجود ہوتا ہے جو اصطلاح میں 'قرینہ' کہلاتا ہے گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب فن کار الفاظ کو اپنے معانی غیر لغوی میں استعمال کرتا ہے تو وہ ایک سررشتۂ سراغ بھی ہمارے ہاتھ میں دیتا ہے کہ ہم اس کے ذریعے اُس پیچیدہ غلام گردش کی سیر کر کے لوٹ سکیں، جس سے معانی غیر وضعی یا لغوی عبارت ہوتے ہیں۔ الفاظ کو اپنے معانی غیر لغوی میں استعمال کرنا مجاز کہلاتا ہے۔''(۱۷)

تجسیم اُسلوب کی ایسی صفت ہے جس میں تمثال اور پیکر تراشے جائیں اور نازک اور لطیف خیالات کو لطیف الفاظ کا لباس پہنایا جائے۔ اس سلسلے میں استعارے کو تجسیم کہا جاسکتا ہے۔ تشبیہ کو اس لیے شاملِ تجسیم کرلیا جاتا ہے کیونکہ یہ استعارہ پیدا کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔ جب تک تشبیہ و استعارہ کا مقصد

Scanned by CamScanner

یہ نہیں ہوتا کہ مفہوم کی توضیح کرے اس وقت تک تشبیہ و استعارہ کی صنعت گری کی اہمیت واضح نہیں ہوسکتی۔ استعارہ محض شعر کی صفت، خاص نہیں ہے بلکہ نثر میں بھی ایسے مقام آتے ہیں جہاں مجاز، معانی اور بیان سے بالاتر ہو کے اپنی جگہ بناتا ہے۔

اسلوب میں خیال کی عکاسی بہت اہمیت کی حامل ہے یعنی لکھنے والا قاری کو اس ماحول میں پہنچادے جس کا بیان کر رہا ہے یا پھر اس ماحول کو قاری کے ذہن میں منتقل کردے۔ ماحول سے مراد وہ کیفیات ہیں جو موضوع سے متعلق ہوں۔ یہ کیفیات داخلی اور خارجی دونوں حوالوں سے موضوع سے ربط رکھ سکتی ہیں۔

اسلوب کا تعلق لکھنے والے کی ذات سے تو ہوتا ہی ہے ذات سے ان معنوں میں کہ لکھنے والے کی تحریر کے اندر اس کا توارث، شخصیت، ماحول، مزاج اور طبیعت کا میلان جھلکتا ہے لیکن اسلوب کا ایک تعلق اس صنف سے بھی ہوتا ہے جس میں لکھنے والا اپنے محسوسات اور مشاہدات کا اظہار کرتا ہے۔ ہر صنف جس طرح خارجی طور پر اپنے کچھ صنفی تقاضے رکھتی ہے اسی طرح اس میں اظہار کا طریقہ بھی اپنے صنفی ماحول سے ایک داخلی نسبت رکھتا ہے مثلاً شاعر جب غزل کے اندر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے تو اس کو غزل کی صنفی حدود و قیود کے اندر رہ کر اپنی بات کرنی ہوتی ہے۔ یہ صنفی حدود و قیود وہ ہیئتی تقاضے ہوتے ہیں جو غزل سے خاص ہیں مثلاً مطلع، مقطع، ردیف، قافیہ اور بحر جسے شعر کی اصطلاح میں زمین کہتے ہیں شاعر کو اپنا خیال عام طور پر دو مصرعوں میں مکمل کرنا ہوتا ہے کبھی کبھی یہ خیال غزل مسلسل کی صورت بھی اختیار کر لیتا ہے لیکن ردیف، قافیہ اور بحر۔۔۔ اس کی پابندی اسے بہر حال اختیار کرنی پڑتی ہے اور وہ غزل لکھتے ہوئے ان ہیئتی قیود سے باہر نہیں جاسکتا۔ یہ پابندی۔۔۔ ہیئت اور صنف غزل کے حوالے سے ہے ۔ یہ بھی شاعر کے اسلوب پر اثر انداز ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ مزاج کی مناسبت نہ ہونے سے بعض شاعر جو نظم میں بڑے کامیاب اظہار کے مالک نظر آتے ہیں غزل میں زیادہ کامیاب نظر نہیں آتے بلکہ بعض تو بری طرح ناکام ہوئے ہیں۔

اسلوب کا صنف کے ساتھ یہ تعلق شاعر کے تخلیقی رویوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ ہر صنف کے ساتھ ہے۔ غزل کی طرح نظم، آزاد نظم، معرا نظم، مرثیہ، مثنوی، رباعی، قطعہ، مستزاد، قصیدہ، دوہے وغیرہ۔ ہر صنف اپنے داخلی ہیئتی تقاضوں کے سبب لکھنے والے کے اسلوب پر اثر انداز ہوتی ہے۔ غزل کے ساتھ مخصوص علائم و رموز اور ایجاز کے اوصاف وابستہ ہیں جب کہ مثنوی کے ساتھ روانی، بہاؤ، مضمون کا تسلسل اور قصہ پن، قصیدہ کے ساتھ الفاظ کا شکوہ، لب ولہجہ کی بلند آہنگی۔۔۔ اسی طرح مرثیہ میں رقت اور گداز کے عناصر نمایاں ہیں جب کہ رباعی کی صنف میں کسی حکیمانہ، رومانی یا واقعاتی صداقت کو چار مصرعوں اور وہ بھی مخصوص اوزان سے متعلق مصرعوں میں بیان کرنا ہوتا ہے۔ یہ دریا کو کوزہ میں بند کرنے والی بات ہے لہٰذا کامیاب رباعی نگاروں نے اپنے مشاہدات اور محسوسات سے وابستہ جہان معنی کو چار مصرعوں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح حمد، نعت اور منقبت کی اصناف ہیں یہ بھی اپنے

Scanned by CamScanner

داخلی صنفی تقاضوں کے سبب لکھنے والے کے اسلوب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ شاعر جس صنف شعر کو اظہار کا وسیلہ بنائے گا اس صنف شعر سے ہیئتی خصائص اور صنفی اوصاف اس کے اسلوب پر ضرور اثر انداز ہوں گے۔ یوں صنف اسلوب پر اور لکھنے والے کا اسلوب صنف پر۔۔۔ اپنے کچھ نہ کچھ اثرات ضرور ڈالے گا۔

وہ طریقہ، انداز یا پیرایہ جس میں کوئی چیز بیان کی جائے، کہی جائے اسلوب (سٹائل) کہلاتا ہے۔ ادب کے علاوہ دوسرے فنون اور آرٹ کی مختلف صورتوں میں بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جیسے کوئی چیز بنائی جائے یا اس کو ادا کیا جائے تو یہ انداز بھی سٹائل کہلاتا ہے یوں یہ اصطلاح شعروادب کے علاوہ موسیقی، صداکاری، اداکاری، مصوری، رقص اور فنون کی دوسری صورتوں کے لیے بھی مستعمل ہے۔

---

i. The Columbia Viking Desk Encyclopedia , Compiled And) Edited At Columbia University,Dell publishing Co,INC.New York,1966.

A Dictionary of Literary Terms,Dr.Sajidullah Tafhimi, Iran Pakistan Institute of Persian Studies,Islamabad,1996.

فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی، ڈکٹر ساجداللہ تفہیمی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد، ۱۹۹۶ء۔

Dictionary Of Art and Artist,Peter and Linda Murray,Penguin Books 1960.

اُردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد اوّل، (کراچی: اردو لغت بورڈ (ترقی اردو بورڈ) کراچی ۱۹۷۷ء۔

ادبی اصطلاحات کی وضاحتی فرہنگ، جلد اوّل، عتیق اللہ، اردو مجلس دہلی ۱۹۹۵ء۔

ii۔ سید عابد علی عابد۔ نثار احمد فاروقی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ۔ جمال احسانی۔ حفیظ صدیقی۔

آرٹ جس کا مفہوم جوہر، قابلیت، مہارت اور Skill ہے اپنے اظہار کے لیے جو انداز اختیار کرتی ہے فن کار کے حوالے سے وہ انداز اور سلیقۂ اظہار اس کا سٹائل کہلاتا ہے۔ فرد کا سٹائل بعض اوقات کسی جماعت، گروپ یا ہم خیال حلقے کا سٹائل بھی بن جاتا ہے۔ ہمارے ہاں دلّی اور لکھنو کے دبستان سے وابستہ شاعروں کا مشترک طرزِ اظہار دلّی کے اسلوبِ شعر یا لکھنوی طرز شاعری سے موسوم کیا جاسکتا ہے اسی طرح ترقی پسند تحریک یا اس سے قبل سرسید احمد خاں کے افکار کے تحت پرورش پانے والی علی گڑھ تحریک بھی اپنا ایک جداگانہ سٹائل رکھتی ہے۔

ایسے دبستانوں، تحریکوں یا ہم خیال گروپ سے وابستہ اہلِ قلم کا سٹائل اپنے دبستان، تحریک یا ہم خیال گروپ کے سبب بعض مشترک خصوصیات فکر و اظہار رکھتا ہے۔ فکر اور اظہار کی یہ یگانگت اور مشترک خصوصیات اسے الگ سٹائل کا حامل بنا دیتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

مزاج اور زمانے کے حوالے سے بھی اسلوب یا سٹائل کی قسمیں کی جاتی ہیں جیسے رومانوی سٹائل، جمالیاتی سٹائل، کلاسیکی سٹائل یا جدید سٹائل۔اس حوالے سے اصطلاحات کے لغت نگاروں (i) اور دوسرے ناقدینِ ادب (ii) نے اپنے اپنے انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔کم و بیش تمام ناقدین اسلوب کے بنیادی مفہوم سے متفق ہیں اور سب نے Stylus سے فن کار کے ذاتی اندازِ بیان اور طرزِ اظہار کے دائرے ہی میں گفتگو کی ہے۔

تنقید کا ایک ایسا اسلوبیاتی انداز رسکول بھی سامنے آیا جس کے دوسرے ناقدین کے علاوہ کچھ اور تقاضے تھے

اسے (SC) کہتے ہیں۔یہ کسی فرد، ادارہ، تحریک یا دبستان کی ان خصوصی صفات، انداز نو، پیرایہ ہائے تخلیق پر توجہ دیتا ہے جو اس فرد یا ادارے سے خاص ہوں۔(۱۸)

اسلوبیاتی تجزیات (Stylistic analysis) نسبتاً مشکل کام ہے اگرچہ بظاہر یہ آسان نظر آتا ہے۔جذباتی اسلوبیات (Affective Stylistics) قاریانہ تنقید Reader Oriented Criticism کا دوسرا نام ہے جس کے بنیادی مفہوم کی بنیاد اسی تصور پر ہے کہ کسی تصنیف کی قدر اور معنی کے تعین کے ضمن میں قربت کے فعال عمل تک رسائی لازمی ہے۔

سٹائل کے یہ مباحث تہذیب، کلچر اور جدید طرزِ حیات کے حوالے سے سٹائل کے قدیم لغوی مفہوم میں اضافہ کرتے ہیں اور سٹائل کے لفظ کو آج کی روزمرہ زندگی کے حوالے سے دیکھتے ہیں جس میں Sort. Type . a style of furiture تک میں اس لفظ کا استعمال ملتا ہے مگر یہاں سٹائل پر مزید بحث مناسب نہیں ہوگی۔اصطلاح میں سٹائل طرزِ تحریر، اندازِ بیان اور اسلوب اظہار ہی کے معنوں میں اپنے بلیغ مفہوم رکھتا ہے۔

علامہ اقبال تک آتے آتے اردو شاعری کئی صدیوں کا ارتقائی سفر طے کر چکی تھی۔اپنے اس ارتقائی سفر میں وہ کئی زمینوں اور خطوں سے گزری۔برصغیر پاک و ہند کے کئی علاقے اپنے اپنے طور پر اردو کی ابتدائی نشوونما میں حصہ لیتے نظر آتے ہیں۔اگرچہ اردوئے قدیم کے نمونے چھوٹے چھوٹے اقوال، جکریوں، شعروں، گیتوں اور غزلوں کی صورت میں جا بجا بکھرے ہوئے ملتے ہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو شاعری کا پہلا اہم علاقہ دکن قرار پاتا ہے جہاں ایک تسلسل کے ساتھ شعری روایت تشکیل پاتی نظر آتی ہے۔

دکن میں مثنوی، غزل، مرثیہ اور دوسری شعری اصناف کا گراں بہا سرمایہ ملتا ہے جس کا بنظر غائر مطالعہ اردو شاعری کے ارتقائی سفر کا بڑا تفصیلی منظر نامہ پیش کرتا ہے اس منظر نامے میں اردو کی پہلی مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' نظامی کے ساتھ مثنویوں کا ایک طویل سلسلہ نظر آتا ہے۔دکنی دور میں اردو شاعری کی زبان شمالی ہند کی شاعری سے بہت مختلف تھی۔مقامی الفاظ کی آمیزش نے اردو شاعری کو ایک منفرد

Scanned by CamScanner

رنگ عطا کیا۔ زیادہ تر زندگی کے خارجی پہلوؤں کا بیان ملتا ہے۔ بعض مقامات پر باطنی حقائق کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ دکنی مثنویوں میں سے بیشتر قدیم داستانوں کے منظوم تراجم ہیں۔ بیانیہ انداز، قصہ کی دلچسپی، ربط، تسلسل اور منظر کشی وغیرہ ایسی خصوصیات ہیں جو اِن مثنویوں کی اہمیت کو نمایاں کرتی ہیں۔ بعض شعرا نے اپنی شاعری میں پنجابی اور گجراتی کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ اس دور کی مثنویوں میں ہندوستانی معاشرت اور تہذیب وتمدن کی عکاسی کی گئی ہے وجہی کی مثنوی 'قطب مشتری' اس کی مثال ہے۔ فارسی اور ہندی شاعری کے منظوم اردو تراجم لفظی ترجمے نہیں ہیں بلکہ اکثر قصوں سے ماخوذ ہیں۔ بعض مقامات پر خیالات کو یکسر بدل دیا گیا ہے اور شعرا نے صرف ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ دلکشی بڑھانے کے لیے اپنی طرف سے اضافہ بھی کیا ہے۔

اس دور میں صاحبِ دیوان قلی قطب شاہ سے ولی اورنگ آبادی تک شعرا کا ایک گروہ ہے۔ ان شاعروں نے دکن میں اردو شاعری کا پہلا قابلِ ذکر دبستان قائم کیا۔ اردو شاعری کے تنقیدی وتحقیقی جائزے میں دکن ہی وہ پہلا مرکز قرار پاتا ہے جہاں تسلسل کے ساتھ پہلے شاعری ہوئی اور جہاں اردو شاعری نے اپنے اسالیب کا پہلا واضح انداز اور قرینہ پیش کیا۔ 'تاریخِ ادب اردو' میں ڈاکٹر جمیل جالبی اسی حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ

> ''دکن میں پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل سے اس (اردو) میں باقاعدہ ادب کی روایت کا آغاز ہو چکا تھا اور تین سو سال کے عرصے میں وہاں اردو زبان وادب کی کم و بیش وہی اہمیت ہوگئی تھی جو شمال میں فارسی زبان وادب کی تھی۔'' (۱۹)

دکنی دور میں شاعری ہر قسم کے خیالات کے اظہار کا سب سے مقبول وسیلہ تھی۔ اس دور میں مثنوی اور غزل کو بہت اہمیت حاصل ہوئی۔ دکنی دور میں شاعری تُک بندی تک محدود نہیں تھی بلکہ اس میں احساس، جذبہ، تخیل، محاکات اور شعریت کو اہمیت حاصل تھی۔ دکنی دور میں تخلیقی عمل نے اپنا رنگ جمایا اور شاعری ہر قسم کے موضوعات سمیٹنے لگی۔

اردو شاعری کا یہ پہلا اسلوب جو دکنی اسلوبِ شعر کہلاتا ہے درج ذیل نکات کی بنیاد پر منفرد ہے

۱۔ زبان پر ہندی کے اثرات نمایاں ہیں۔ محبوب کے لیے پریتم، ساجن، لالن، پی وغیرہ کے الفاظ عام ملتے ہیں جو بعد کے دور میں بتدریج کم ہوتے گئے خصوصاً دلی تک آتے آتے اردو شاعری ان الفاظ کو قریب قریب غزل کی زبان فراموش کر چکی تھی۔

۲۔ قواعد اور عروض کی گرفت کہیں کہیں ڈھیلی ہے لہٰذا بعض الفاظ کا تلفظ اور مصرعوں کی بندش بعد کے ریختہ دور والی اردو شاعری کے مطابق نہیں۔

۳۔ تذکیر وتانیث اور واحد جمع میں بھی قواعد کے باقاعدہ طریقوں سے کہیں کہیں انحراف نظر آتا ہے۔

۴۔ عورت سے محبت کا ذکر ہے۔ کہیں کہیں ہندی گیتوں کے زیرِ اثر عورت کی زبان اور نسائی لب ولہجہ

Scanned by CamScanner

سے مرد کی محبت کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ قلی قطب شاہ اور ولی دکنی کے ہاں مردوں سے محبت کا ذکر بھی ملتا ہے۔

۵۔ دکنی شاعری کی فضا میں ہندوستانی صنمیات 'اساطیر 'ہندوانہ مذہبی شعائر' مقامی روایات و رسوم۔۔۔ پرواڑوں' دریاؤں' موسموں اور مقامی ماحول کے تاثرات ملتے ہیں۔

۶۔ اگر چہ دکنی شاعری اردو کی کم و بیش تمام اصناف سے روشناس ہو چکی تھی مگر اس دور میں مثنوی' منظوم قصے اور غزل کا رواج زیادہ رہا۔

۷۔ مضامین کے اعتبار سے اردو شاعری دکن ہی میں کم و بیش ان تمام مضامین سے آشنا ہو چکی تھی جو بعد میں اردو شاعری کے محبوب موضوعات ٹھہرے خصوصاً عشق' محبت' تصوف' سماجی و معاشرتی حقائق' بے ثباتی دنیا' حسن پرستی وغیرہ۔

دکن میں تخلیق ہونے والی شاعری میں غزل کے نمایاں شاعر قلی قطب شاہ' سراج اورنگ آبادی اور ولی دکنی (جنھیں ولی اورنگ آبادی بھی کہا جاتا ہے) ہیں جو اپنے جداگانہ اسلوب کی وجہ سے اس پورے دور میں نمایاں ہیں۔ ان میں بھی منفرد اسلوب کے حامل ولی ہیں جو اپنے جمال پسند اسلوب کے سبب زیادہ نمایاں ہیں۔

برصغیر کی تاریخ کے بحرانی دور میں وہ پرانی اقدار جن پر معاشرتی ڈھانچا قائم تھا جامد' بے اثر اور بے معنی ہو گئی تھیں اور باطنی اور روحانی زندگی سے ان کا رابطہ کمزور پڑ چکا تھا عام زندگی میں فرد کے قول و فعل میں تضاد نمایاں ہو چکا تھا۔ رویّوں کے یہ تضادات شاعری میں بھی نمایاں ہوئے اور یوں ایہام گوئی کی بنیاد پڑی۔ آبرو' مضمون' ناجی اور حاتم جیسے شعرا نے ولی کے دیوان سے متاثر ہو کر اپنی شاعری کی بنیاد ایہام گوئی پر رکھی۔ ایہام گو شعرا نے ذو معنی الفاظ میں اپنے عہد کی معاشی' معاشرتی اور سیاسی حالت کو بیان کیا ہے اور ان کے کلام میں ہم اس عہد کا آئینہ دیکھ سکتے ہیں مثلاً امرد پرستی' فوج کی کمی' بادشاہوں کی کمزوری' طوائفوں سے تعلقات وغیرہ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ''اس دور کی ساری زندگی خود ایہام کا درجہ رکھتی تھی۔ ہر چیز اور ہر عمل کے دو معنی ہو گئے تھے مثلاً بادشاہ وہ بادشاہ نہیں رہا تھا جو کبھی اکبر' جہانگیر' شاہ جہان اور اورنگ زیب تھا۔۔۔ اس دور میں بادشاہ اور عیاش ایک ہی تصویر کے دو رُخ تھے۔ اس طرح امرا کا کارِ منصبی بھی وہ نہیں رہا تھا۔۔۔ عیش پرستی اس تہذیب کا عام رویہ تھا۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ جب فرد عیش پرستی کی دنیا میں داخل ہوتا ہے تو وہ ایسے موقعوں پر اشارے اور کنائے استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنے دل کی بات چھپانا بھی چاہتا ہے اور اس کا اظہار بھی کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ ذو معنی الفاظ استعمال کرتا ہے جس سے جاننے والے پر تو انکشاف ہو جائے لیکن دوسروں سے وہ بات چھپی بھی رہے۔ عشق و

Scanned by CamScanner

عاشقی کے سلسلے میں تو ایسی زبان اور بھی ضروری ہو جاتی ہے۔ ایہام گوئی اس معاشرے کی اسی لیے معاشرتی و تہذیبی ضرورت تھی۔'' (۲۰)

اس عہد کی شاعری میں جا بجا فحاشی و عریانی کے اثرات بھی ملتے ہیں کیونکہ یہ اس عہد کی ایک عام سی بات ہے۔ ایہام لکھنے کے لیے نئے الفاظ کی تلاش میں گم شاعر جذبہ و احساس کی مکمل وضاحت میں ناکام رہے۔ بعض اصناف مثلاً واسوخت جسے آبرو اور حاتم نے لکھا اور مسدس اور ترکیب بند بھی اسی عہد میں ایجاد ہوئیں۔

ایہام گو شعرا ایہام کے لیے نئے الفاظ تلاش کرتے تھے اس سے اردو کے ذخیرۂ الفاظ میں بے پناہ اضافہ ہُوا۔ انھوں نے الفاظ کو مختلف زاویوں سے بیان کیا جس سے لغت نویسوں کا کام آسان ہو گیا۔ ایہام گو شعرا نے اردو گرامر کو درست کیا اور فارسی کے فعل اور حرف کے استعمال کو ترک کیا۔ آزاد کا یہ قول درست ہے کہ ایہام گوئی میں تصنع ہوتا ہے ورنہ یہ عہد سادگی کا ہے۔ ایہام گوئی کے دور نے زبان و بیان پر ایسے گہرے اثرات مرتب کیے جن کا اثر آئندہ ادوار پر گہرا پڑا۔ ایسے امکانات جو اس دور میں دبے دبے تھے آئندہ ادوار میں کھل کر سامنے آئے اور اردو شاعری کے مزاج، لہجے اور آہنگ کے تعین میں معاون ثابت ہوئے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''ان لوگوں کے اشعار آج ناپختہ اور بے مزہ سے معلوم ہوتے ہیں لیکن اس دور کو سامنے رکھیے اور دیکھیے کہ انھیں ذرا ذرا سی بات کے اظہار میں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے گھنے جنگل کو کاٹ کر ایک کچا راستہ بنایا تھا جسے آنے والی نسلوں نے وسیع اور پختہ کیا۔'' (۲۱)

اٹھارویں صدی میں سیاسی تبدیلی کے ردِعمل کے طور پر معاشی، معاشرتی اور اخلاقی نظام میں تبدیلیاں آنے لگیں۔ زندگی پر بے یقینی کا رنگ غالب آ گیا اور افراد کے ذہنوں پر غم و الم، اداسی و بے چارگی، پسپائیت اور بے یقینی فضا حاوی ہو گئی۔ اس دور کے مزاج کی اداسی، افسردگی اور بے یقینی نے شعر و ادب پر بھی اپنے اثرات مرتب کیے یہی وجہ ہے کہ اس دور کا بیشتر ادب اضطراب، انتشار، تھکن اور اُداسی کی کیفیات کا ترجمان ہے۔ مصائب اور پریشانیوں سے گھبرائے ہوئے انسان نے تصوف کا سہارا لیا اور اسے بے عملی کی بجائے زندگی گزارنے کا بامعنی وسیلہ تصور کیا یہی وجہ ہے کہ اس دور کی شاعری میں دنیا کی بے ثباتی، 'فنا'، 'اطاعت'، تصوف اور دیگر موضوعات نے شامل ہو کر شاعری کے دائرے کو وسیع تر کر دیا۔ دبستانِ دلی میں میرؔ، دردؔ اور سوداؔ جیسے شعرا نے مٹتی ہوئی تہذیب کے کرب کو شاعری میں سمویا اور اپنی تخلیقی توانائیوں کو ترجمانی اور تزکیہ کا وسیلہ بنایا۔

میرؔ اور سوداؔ کے دور میں تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی گئی۔ مثنوی، غزل، ہجو اور قصیدہ جیسی اصناف اُردو شاعری میں مستقل ہوئیں اور اُردو شاعری کی مضبوط بنیاد نے مستقبل کے لیے پر اعتماد اور

Scanned by CamScanner

دلکش مثالیں قائم کیں۔ جتنی ہجویں اس دور میں لکھی گئیں اس سے پہلے یا بعد بعد میں نہیں لکھی گئیں۔ اس دور میں رباعی، قطعہ، شہر آشوب اور واسوخت بھی لکھے گئے۔ قطعات غزلوں میں بھی ملتے ہیں اور علیحدہ صورت میں بھی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس دور میں قطعات کی طرف خاص رجحان نظر آتا ہے۔ سوداؔ کی غزلوں میں کثرت سے قطعات ملتے ہیں۔ میرؔ کے ہاں قطعہ بند غزلیں خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ قائمؔ کے ہاں قطعہ بند غزلوں کے علاوہ ۳۵ قطعات موجود ہیں۔ اس دور کی اردو غزل فارسی کے اثرات قبول کرنے کے باوجود الگ اور ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔

اس دور میں زبان سازی پہ خاصی توجہ دی گئی لیکن اس کے باوجود اگر شعرا کے خیال میں کسی قسم کا مضمون آتا تو وہ اسے باندھنے میں قواعد کی پروا نہیں کرتے تھے۔ وہ آزادیٔ اظہار میں بہت سی پابندیوں کو نظر انداز کر دیتے تھے مثلاً رابطے کو چھوڑ دینا، ہندی اور فارسی الفاظ کو تخفیف سے باندھنا، لفظ کے حروف کو بڑھا دینا یا ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن اور مخفف کو مشدد اور مشدد کو مخفف کی صورت میں استعمال کرنا، جس لفظ کو ترک کرنا اسے بوقتِ ضرورت دوبارہ استعمال کر لینا، لغات کی پابندی نہ کرنا، مضمون کی خاطر جس زبان کا لفظ مل جائے اسے بلا تکلف باندھ لینا وغیرہ۔ اس آزادیٔ بیان سے مضامین کو اپنے خیال کے مطابق باندھنے میں سہولت رہی جس کے باعث شعرا کی تعداد میں بھی اضافہ ہُوا۔

اس دور میں اصنافِ سخن میں مختلف فنی اصولوں کی پابندی کی گئی۔ بندشوں کی چستی اور محاورات کے صحیح استعمال پر توجہ دی گئی۔ قافیہ اور ردیف کو صحت اور خوبصورتی کے ساتھ استعمال کرنے پر زور دیا گیا۔ اس دور میں اُردو شعرا کے تذکرے لکھنے اور شعرا کے پسندیدہ اشعار کو بیاضوں میں درج کرنے کا رواج ہُوا۔ اس پوری صدی میں اردو زبان اپنے لہجے، آہنگ اور ذخیرۂ الفاظ کے حوالے سے بدلتی رہی۔ میر تقی میرؔ تک پہنچتے پہنچتے اس نے ایک ایسی معیاری شکل اختیار کر لی تھی کہ ہمیں آج بھی وہ زبان بولتے، لکھتے اور پڑھتے ہوئے کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔

میر اور سودا کے دور میں زبان کے مسلسل اور رنگا رنگ استعمال کے باعث اظہارِ بیان میں قوت پیدا ہوئی۔ فارسی محاورات، مصادر اور مرکبات کثرت سے اُردو میں ترجمہ ہوئے اور زبان کا حصہ بنے۔ کرخت اور کھردرے الفاظ کی جگہ شائستہ اور نرم الفاظ استعمال کیے جانے لگے۔ اس رجحان نے اردو شاعری کی روایت کو آگے بڑھایا اور شاعری کے دامن کو وسیع کیا۔

دبستانِ لکھنؤ کے زیرِ اثر اردو شاعری میں فارسی و عربی الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا گیا۔ صنعتِ مراۃ النظیر کی کثرت اور مقفیٰ و مسجع انداز سے بلاغت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ پیچ دار تشبیہہ اور استعارے کا استعمال عام تھا۔ شاعری میں ابتذال، عامیانہ پن اور عریانی عام تھی۔ شاعری جو دہلی میں جذبات و احساسات کے اظہار کا ذریعہ سمجھی جاتی تھی لکھنؤ میں آ کر علمیت کے اظہار کا ذریعہ بن گئی اس

Scanned by CamScanner

لیے یہاں جذبات واحساسات کی حیثیت ثانوی رہ گئی۔ ریختی کا وجود اس معاشرے کے زوال پذیر عناصر کا مرہونِ منت ہے ریختی میں عورتوں کی بول چال سے مزاح پیدا کیا جاتا تھا جو پست درجے کا ہوتا تھا۔
ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

''لکھنؤ کے اصلی رنگ کو دیکھنا ہو تو اس زمانہ پر نظر ڈالیے جب لکھنؤ کا شباب تھا' دولت کے دریا بہہ رہے تھے' آسمان سے مُن برس رہا تھا اور دُور دُور سے باکمال اور اہلِ فن کھنچے چلے آرہے تھے اور لکھنؤ تھا کہ ہر ایک کے لیے اس کی آنکھیں فرش راہ تھیں۔''(۲۲)

آتش اور ناسخ کو دبستانِ لکھنؤ کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ شاعری کے نقطۂ نظر سے آتش اور اصلاحِ زبان کے حوالے سے ناسخ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آتش اور ناسخ کے درمیان ادبی معرکوں نے اُردو زبان کو وسعت اور شاعری کو وہ معیار عطا کیا جو واقعی اس دور کی دین ہے۔ آتش بنیادی طور پر عشق و عاشقی کے شاعر ہیں لیکن ان کی عشقیہ شاعری میں وہ رکاکت اور ابتذال نہیں جو عام لکھنوی شعرا کے ہاں موجود ہے۔ آتش کی شاعری کا اخلاقی پہلو قابلِ توجہ ہے۔ انھوں نے اپنی غزل میں جہاں جہاں فارسی زبان سے استفادہ کیا ہے' ذوقِ سلیم کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

ناسخ زبان شناس کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ ناسخ کے وقت سے زبان اردو کا نام ریختہ کی بجائے باقاعدہ 'اُردو' رکھا گیا پہلے غزل کو بھی ریختہ کہا جاتا تھا لیکن ناسخ نے 'غزل' کا لفظ رائج کیا۔ قافیہ اور ردیف کی بنیاد کے اصول قائم کیے۔ فارسی اور عربی زبان کے الفاظ کو اردو کا حصہ بنایا اور ہندی الفاظ کو ترک کیا۔ فارسی' ہندی اور عربی کے مستعمل الفاظ کی تذکیرو تانیث کے قواعد وضع کیے۔ ناسخ کے ہاں وہ سپردگی نہیں جو غزل کی جان ہے اُن کی غزلوں میں قصیدہ کی شان موجود ہے۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی لکھتے ہیں:

''لکھنؤ کی شاعری میں وہ ولولہ' وہ آنچ' وہ کسک' وہ سیمابی کیفیت' وہ آفاقی لہجہ نہ آسکا جو دہلوی شاعری میں ہے۔ بہ قول فراق کے وہ آپ بیتی یا جگ بیتی نہ ہوئی لفظ بیتی ہو کر رہ گئی۔''(۲۳)

اصلاح زبان کے اعتبار سے غالب اور مومن کا دور بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور میں اُس اُردو زبان کی تشکیل ہوئی جو نہ صرف بعد کے اساتذہ کے لیے مستند قرار پائی بلکہ آج تک بولی اور مانی جاتی ہے اگرچہ زبان میں میر کے زمانے کے مقابلے میں بہت صفائی اور شستگی پیدا ہو چکی تھی لیکن پھر بھی پرانے الفاظ اور تراکیب کا استعمال باقی تھا۔ اس دور میں دہلی کے شعرا ان الفاظ کو بھی شاعری کا حصہ بناتے رہے جنھیں لکھنؤ میں ترک کر دیا گیا تھا۔ شاہ نصیر سنگلاخ زمینوں اور مشکل ردیفوں کے ماہر تھے۔ ذوق کا کلام تنوع' بلند خیالی' زورِ بیان' قدرتِ اظہار' الفاظ و تراکیب کے عمدہ انتخاب اور استعمال کی وجہ سے بے مثل

Scanned by CamScanner

ہے۔ غالبؔ کا فلسفیانہ انداز انھیں تمام شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کے اکثر اشعار پہلودار ہیں کہ بادی النظر میں ان کا مفہوم کچھ اور ہوتا ہے مگر غور کرنے کے بعد ان میں دوسرے نہایت لطیف معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔

مومنؔ کی شاعری کی سب سے بڑی خوبی تغزل ہے۔ بلندیٔ تخیل اور نزاکتِ خیال میں مومن اردو شاعری میں اپنی مثال آپ ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کی شاعری میں روانی اور صفائی ہے لیکن انھوں نے مشکل قافیے اور ردیف کے ساتھ بھی غزلیں کہی ہیں۔ داغؔ کی شاعری کا خاص رنگ مکالمہ ہے۔ اسی مکالمے سے ان کے ہاں شاعری میں ڈرامائی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ معاملہ بندی اور وارداتِ حسن و عشق کے بیان میں شیفتہ کے کلام پر جرأت اور مومن کا رنگ نمایاں ہے۔ شیفتہ کے کلام میں متانت ہے۔ ان کے اشعار میں ایک خاص انفرادی رویے کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی لکھتے ہیں:

> ''دہلویت میرے نزدیک ایک خاص افتادِ ذہنی یا مزاجِ شعری کا نام ہے جس کا ظہور مخصوص تمدنی و تہذیبی اثرات کی وجہ سے ہُوا۔ دہلی کا شاعر غمِ روزگار کا ستایا اور غمِ عشق کا مارا ہے۔ اس لیے اس کے کلام میں دونوں کی کسک اور کھٹک آ گئی ہے۔ سیاسی حالات نے اسے قنوطی بنایا۔ تصوف کی میراث نے اس میں روحانیت پیدا کی اور اسی کے ساتھ ایک اخلاقی نصب العین اور تصور عطا کیا۔'' (۲۴)

انجمن پنجاب کے زیرِ اہتمام ہونے والی شاعری مبالغہ، تصنع اور بے جا استعارہ نگاری کے خلاف ایک واضح ردِ عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ سرسید کے زمانے میں جن تصورات کو عام کیا جا رہا تھا ان کا ایک فطری تقاضا یہ بھی تھا کہ شاعری کو بھی فطرت کے مطابق ہونا چاہیے۔ محمد حسین آزادؔ کی نظموں میں خیالات کو حقائق کے مطابق ڈھالنے کی شعوری کوشش نظر آتی ہے۔ ان کی نظموں میں حبِ وطن، خوابِ امن، دادِ انصاف، گنجِ قناعت، ابرِ کرم، مصدرِ تہذیب وغیرہ اہمیت کی حامل ہیں۔ آزادؔ نے قدیم اصناف میں نئے تجربوں کو آزمایا اور مثنوی کے دائرے کو وسیع کیا۔ آزادؔ کی مثنویوں میں ترتیب و تنظیم کا نیا انداز ملتا ہے۔ انھوں نے اردو نظم میں قافیہ ردیف ترک کرنے کا تجربہ کیا۔ آزادؔ کی نظم 'جغرافیہ طبعی کی ایک پہیلی' اردو کی اوّلین معرّیٰ نظموں میں سے ہے۔ انجمنِ پنجاب کے دوسرے اہم شاعر مولانا الطاف حسین حالیؔ تھے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں قدیم اور جدید رنگ کی پیوندکاری کے ساتھ ساتھ موضوعات کی تبدیلی اور نئے خیالات سے اُردو نظم کے دامن کو وسیع کیا۔ ان کی چار مثنویاں 'برسات' 'امید' 'رحم انصاف' اور 'حب وطن' اہمیت کی حامل ہیں۔

اُردو شاعری اپنے آغاز سے علامہ اقبال تک پہنچنے میں قریب قریب چھ صدیوں کا سفر طے کر چکی تھی۔ اپنے ابتدائی نمونوں سے لے کر غالبؔ اور حالیؔ تک پہنچتے پہنچتے اس نے اسلوب و انداز کے کئی دور دیکھے۔ امیر خسرو سے منسوب قدیم اُردو نمونوں کے بعد اردو شاعری کے دکنی دبستان پھر دلّی اور لکھنو

Scanned by CamScanner

کے دبستانوں میں اردو شاعری داخلی اور خارجی طور پر کئی اسالیب سے آشنا ہوئی۔ ۱۸۵۷ء تک آتے آتے اردو شاعری ولی دکنی، میر تقی میر اور مرزا غالب جیسے عظیم شاعر پیدا کر چکی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے اثرات جہاں اذہان و قلوب پر پڑے وہاں ادبی مراکز اور ان سے وابستہ میلانات و رجحانات پر بھی پڑے۔ سرسید احمد خان اور ان کے رفقائے کار خصوصاً مولینا حالی اور مولینا شبلی نعمانی کے زیر اثر اردو اسلوب کی نئی جہات سے روشناس ہوئی یوں علامہ اقبال کے ابتدائی زمانۂ شعر تک غزل اور نظم دونوں کے اسالیب میں فکری اور فنی طور پر بہت بڑی تبدیلی کے آثار نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔

اقبال نے شاعری کے وسیلے کو جس انداز سے دیکھا اور برتا یہ اردو شاعری ہی میں نہیں بلکہ برصغیر پاک و ہند اور نواحی علاقوں میں بولی جانے والی زبانوں مثلاً سنسکرت، ہندی، فارسی وغیرہ میں کی جانے والی شاعری میں بھی ایک مختلف آواز اور انداز کا حامل ہے۔ اقبال جس پیغام کو لے کے اٹھے اور انھوں نے اپنی شاعری میں لفظوں کی آمیخت اور ترتیب سے جس طرح 'آدم گری' اور خود شناسی کا کام لیا یہ اُس وقت کی معلوم شاعری میں ایک مختلف حیثیت، اہمیت اور نوعیت کا کام تھا۔ اس کی مثال اُن سے قبل تو کیا بعد میں بھی اس کامیابی کے ساتھ نظر نہیں آتی جو اقبال کے اسلوب سے خاص ہے۔

حوالہ جات

۱۔ اردو لغت، (تاریخی اصول پر) جلد اوّل، اردو لغت بورڈ، ترقی اردو بورڈ کراچی ۱۹۷۷ء، ص ۹۱۶، میر، ک، ۱۴۳۔

۲۔ اردو لغت، جلد یازدہم، ۱۹۹۰ء، ص ۹۳۴، (۱۸۹۰، فسانہ دلفریب، ۸)۔

۳۔ اردو لغت، جلد سیزدہم، جون ۱۹۹۱ء، ص ۱۲۳، (۱۸۱۰، میر، ک، ۴۵۴)۔

۴۔ اردو لغت، جلد دہم، ۱۹۹۰ء، ص ۲۱۹، (میر تقی میر)۔

۵۔ اُردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد اوّل، ص ۴۹۱۔

۶۔ میمنت میر صادق (ذوالقدر) واژہ نامہ ہنر شاعری A Dictionary Of Poetry and Poetics، ص ۱۲۵۔

۷۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا، جلد ۲۱، ۴۸۸۔

۸۔ (Journal V X page 57)

۹۔ قومی انگریزی اردو لغت، ڈاکٹر جمیل جالبی (مرتب)، مقتدرہ قومی زبان (اسلام آباد) پاکستان، طبع پنجم، ۲۰۰۲ء، ص ۱۹۸۲۔

۱۰۔ قومی انگریزی اردو لغت، ڈاکٹر جمیل جالبی (مرتب)، ص ۱۹۸۲۔

Scanned by CamScanner

۱۱۔ نثار احمد فاروقی 'اسلوب کیا ہے مشمولہ نقوش' محمد طفیل (مدیر) 'ادارہ فروغِ اردو لاہور' جون ۱۹۶۳ء' صفحہ ۶۰۔
۱۲۔ طارق سعید 'اسلوب اور اسلوبیات' ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی' ۱۹۹۶ء' صفحہ ۱۷۳۔
۱۳۔ عابد علی عابد سید 'اسلوب' مجلس ترقی ادب لاہور' جون ۱۹۹۶ء' صفحہ ۱۰۸۔
۱۴۔ نثار احمد فاروقی 'اسلوب کیا ہے مشمولہ نقوش' محمد طفیل (مدیر) 'ادارہ فروغِ اردو لاہور' جون ۱۹۶۳ء' صفحہ ۶۴۔
۱۵۔ پ ا ع ۳۔
۱۶۔ عتیق اللہ 'ادبی اصطلاحات کی وضاحتی فرہنگ' جلد اوّل 'اردو مجلس دہلی (انڈیا) ۱۹۹۵ء' ص ۵۳۸۔
۱۷۔ عابد علی عابد سید 'اسلوب' صفحہ ۱۸۹۔
۱۸۔ Dictionary Of Art and Artist,Peter and Linda Murray,Penguin Books 1960.Page310.
۱۹۔ جمیل جالبی ڈاکٹر تاریخ ادب اردو' جلد دوم' مجلس ترقی ادب لاہور' اپریل ۱۹۸۷ء' ص ۲۰۔
۲۰۔ جمیل جالبی ڈاکٹر تاریخ ادب اردو' جلد دوم' صفحہ ۱۹۱۔
۲۱۔ جمیل جالبی ڈاکٹر تاریخ ادب اردو' جلد دوم' صفحہ ۲۸۲۔
۲۲۔ ابواللیث صدیقی ڈاکٹر' لکھنؤ کا دبستانِ شاعری' اردو مرکز لاہور' ۱۹۶۷ء' ص ۴۷۔
۲۳۔ نورالحسن ہاشمی ڈاکٹر' دلی کا دبستانِ شاعری' اردو اکیڈمی سندھ کراچی' ۱۹۶۶ء' دیباچہ' ص ب
۲۴۔ ایضاً۔

کتابیات

قرآن مجید
ابواللیث صدیقی ڈاکٹر' لکھنؤ کا دبستانِ شاعری' اردو مرکز لاہور' ۱۹۶۷ء۔
جمیل جالبی ڈاکٹر تاریخ ادب اردو' جلد دوم' مجلس ترقی ادب لاہور' اپریل ۱۹۸۷ء۔
طارق سعید 'اسلوب اور اسلوبیات' ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی' ۱۹۹۶ء۔
عابد علی عابد سید 'اسلوب' مجلس ترقی ادب لاہور' جون ۱۹۹۶ء' صفحہ ۱۰۸۔
عتیق اللہ 'ادبی اصطلاحات کی وضاحتی فرہنگ' جلد اوّل 'اردو مجلس دہلی (انڈیا) ۱۹۹۵ء۔
نثار احمد فاروقی 'اسلوب کیا ہے مشمولہ نقوش' محمد طفیل (مدیر) 'ادارہ فروغِ اردو لاہور' جون ۱۹۶۳ء۔
نورالحسن ہاشمی ڈاکٹر' دلی کا دبستانِ شاعری' اردو اکیڈمی سندھ کراچی' ۱۹۶۶ء

Scanned by CamScanner

(لغات ورسائل)

اردو لغت، (تاریخی اصول پر) جلد اوّل، اردو لغت بورڈ، ترقی اردو بورڈ کراچی ۱۹۷۷ء۔

اردو لغت، جلد دہم، ۱۹۹۰ء۔

اردو لغت، جلد یازدہم، ۱۹۹۰ء۔

اردو لغت، جلد سیزدہم، جون ۱۹۹۱ء۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا، جلد ۲۱۔

قومی انگریزی اردو لغت، ڈاکٹر جمیل جالبی (مرتب)، مقتدرہ قومی زبان (اسلام آباد) پاکستان، طبع پنجم، ۲۰۰۲ء۔

قومی انگریزی اردو لغت، ڈاکٹر جمیل جالبی (مرتب)۔

مینت میر صادق (ذوالقدر) واثرہ نامہ ہنر شاعری A Dictionary Of Poetry and Poetics۔

Dictionary Of Art and Artist,Peter and Linda Murray,Penguin Books 1960.

نقوش، محمد طفیل (مدیر)، ادارہ فروغِ اردو لاہور، جون ۱۹۶۳ء۔

Scanned by CamScanner